پروفیسر اختر علی

احسان دانش اور ان کی شاعری

احسان دانش نے جس زمانے میں آنکھ کھولی، وہ آزاد، حالی اور شبلی کی وفات کا زمانہ تھا۔ مسلمانوں کے ان اکابر نے اردو شاعری میں ایک انقلاب پیدا کیا تھا، یعنی اردو شاعری کے گل و بلبل کے مضامین کو حذف کر کے اس سے ایسا کام لیا تھا جو کسی مقصد کا حامل ہو۔ ان کے پیشِ نظر ایک ہی مقصد تھا کہ مسلمان کسی نہ کسی طرح اپنے آپ کو پہچان لیں اور ان کے اندر جو خفتہ صلاحیتیں ہیں ان کو بیدار کریں، ان سے کام لیں اور اپنی انفرادیت اور قومی تشخص کو بحال کریں۔

حالی، آزاد اور شبلی کے بعد علامہ اقبال نے اس مشن کو جاری رکھا۔ پہلی جنگِ عظیم نے مسلمانوں کے اتحاد اور تشخص کو ایک اور دھچکا لگایا، جس سے سلطنتِ عثمانیہ کا شیرازہ بکھر گیا۔ ہندوستان میں مسلمان اکابر نے اس کی شیرازہ بندی کے لیے جدوجہد کی مگر ناکام رہے۔ اس دور میں ملّی اور انقلابی شاعری نے جنم لیا، جس کے سب سے بڑے علم بردار علامہ اقبال اور جوش ملیح آبادی تھے۔

جب احسان دانش نے ہوش سنبھالا تو شعری فضا انہی کے نغموں سے گونج رہی تھی۔ انھیں شروع ہی سے ایسا ماحول ملا تھا جس میں تھوڑا بہت شعری ذوق ضرور تھا۔ انھوں نے سکول کی ابتدائی جماعتوں میں شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ جب ان کی عمر بیس پچیس برس کی ہوئی تو ترقی پسند تحریک نے جنم لیا۔ اگرچہ وہ اس تحریک میں شامل نہیں تھے، مگر یہ تحریک جو مقاصد لے کر اٹھی تھی، اس کی روح خود ان کی روح میں رچی بسی ہوئی تھی۔

احسان دانش نے میر انیس اور نظیر اکبر آبادی کو پہلے ہی پڑھ لیا تھا۔ اقبال اور جوش ان کے زمانے کے شاعر تھے، انھیں بھی انھوں نے خوب پڑھا اور سنا تھا۔ جس گھرانے میں وہ پیدا ہوئے وہ محنت و مشقت کا گھرانہ تھا، اس لیے محنت و مشقت اور کاوش ان کا مزاج بن گیا تھا۔ وہ محنت و مشقت میں بھی بندش اور پابندی کو پسند نہیں کرتے تھے بلکہ آزادی سے مزدوری

کرنے کو ترجیح دیتے تھے ۔ مزاج کی ایسی آزادی کو ایک شاعر اپنے لیے ضروری قرار دیتا ہے ۔

احسان دانش نے اپنے ماحول کا گہرا مطالعہ کیا اور زندگی کو بالکل قریب سے دیکھا۔ یہ احساسی نقوش یا احساسی مہیجات ان کے تحت الشعور میں شعری اور ادبی حیثیت سے محفوظ ہو گئے تھے ۔

یہ احساسی نقوش ایک غیر شاعر کے تحت الشعور میں بھی محفوظ ہو جاتے ہیں، مگر شاعر ان احساسی نقوش کے خزانے کی اپنی شعوری کوشش سے بڑی تنظیم کے ساتھ نمائش کرتا ہے اور اسے شعری لباس پہناتا ہے۔ اس شعری تنظیم میں فنی، لسانی، تعمیری اور دیگر ضروری پہلو نمایاں ہو کر شاعر کا قد متعین کرتے ہیں ۔

احسان دانش کے مشاہدہ اور تجربے کے یہ احساسی نقوش یا مہیجات بہت گہرے ہیں اور وہ ان کے تحت الشعور سے گھل کر اور گھل مل کر شعور میں آتے ہیں ۔ یہ اسی وقت ممکن ہے کہ شاعر کا خیال بلند ہو اور جذبات شدید ہوں - یہ دونوں عنصر ایک بڑے شاعر میں فطری طور پر موجود ہوتے ہیں ۔ اس کے علاوہ کچھ اکتسابی عناصر ہیں جن میں صنائع بدائع کا استعمال، اعلیٰ الفاظ کا انتخاب اور ان الفاظ کی پُر شوکت ترتیب شامل ہے۔

اس لحاظ سے احسان دانش ایک قدآور اور بڑے شاعر ہیں، اور جہاں تک انسانیت کا تعلق ہے، وہ بہت بڑے انسان ہیں، چوں کہ انھوں نے اپنی زندگی کا سفر عام سطح سے ہٹ کر اتھاہ گہرائیوں سے شروع کیا، پھر عام سطح تک پہنچے اور پھر عام سطح سے سفر کر کے اپنے معاصرین کے مقابلے میں زیادہ بلندیوں پر پہنچ کر دم لیا ۔

ایک بڑے شاعر کا دل و دماغ عام انسان سے بالاتر ہوتا ہے ۔ اس کی قوتِ ادراک اور تخیل کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا ۔ اس کی روح اور دل و دماغ پر ہلکے سے ہلکا احساسی نقش اور ادنیٰ سے ادنیٰ مسرت بھی ہیجانی کیفیت پیدا کر دیتی ہے ۔ اسی ہیجانی قوت کے ذریعے جسے شعری جذبے کی شدت بھی کہہ سکتے ہیں، احسان دانش شعر کہنے پر مائل ہوتے ہیں ۔

کسی شاعر کی شعری تخلیقات کا مطالعہ کریں تو اس کی دو نمایاں حیثیتیں منظر عام پر آتی ہیں۔ ایک حیثیت تو وہ ہے، جب وہ شاعری کا آغاز کرتا ہے اور وہ اس وقت کے موجود شعری تجربات کو اپناتا ہے اور اس وقت اس کا اسلوب کسی دوسرے شعری اسلوب کا مرہونِ منت ہوتا ہے،

مگر بڑا شاعر یا پختہ کار شاعر وہ ہے جو جلد ہی اپنے اشعار کے لیے کوئی نیا راستہ دریافت کرلیتا ہے۔ ایسا راستہ جس کا کولمبس "وہ خود ہوتا ہے"، اور اگر وہ صحیح معنوں میں کسی نئے راستے کا کولمبس ہے تو شعری اصطلاح میں وہ ایک منفرد اسلوب کا شاعر ہے۔ احسان دانش ان شعری تجربوں اور شعری اکتساب سے گزر چکے ہیں اور انھوں نے اپنے لیے ایک نیا راستہ متعین کرلیا ہے جو ان کے شعری اسلوب کی شناخت فراہم کرتا ہے اور یہی شناخت انھیں وہبی، روحانی اور وجدانی شاعر کا درجہ دیتی ہے، جس میں سچائی، خودداری اور بے نیازی ہے۔ ان کے یہ تمام شعری جذبے فطری ہیں اور ان کی شاعری کی بنیاد "آمد" سے اٹھتی ہے۔

احسان دانش کے تمام شعری مجموعے، جن میں حدیثِ دل، نوائے کارگر، چراغاں، آتشِ خاموش، شیرازہ، مقامات، زخم و مرہم، گورستان، نفیرِ فطرت، جادۂ نو، دارین، فصلِ سلاسل اور میراثِ مومن شامل ہیں، اس حقیقت کا ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ وہ ایک منفرد شعری اسلوب کے مالک ہیں۔

احسان دانش کی زبان اور دل میں مطابقت ہے اور یہی مطابقت شعر میں بھی بدرجۂ اتم کارفرما ہے۔ ان کی شاعری، اخلاقی درس، ملت نوازی، انسان دوستی اور اخلاص کا ایک اعلیٰ نمونہ پیش کرتی ہے۔ انفرادی طور پر اخلاص کا دائرۂ عمل بھی ان کے یہاں بڑی وسعت کا حامل ہے اور اخلاص کی یہی وسعت احسان دانش کی عظمت کا ایک پہلو بھی ہے۔

احسان دانش کے شعر ان کی روح کی گہرائیوں سے بے اختیار نکلتے ہیں اور شعری فضا میں جذب ہو جاتے ہیں۔ ان کی شاعری میں متنوع مضامین باندھے گئے ہیں۔ زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جس پر انھوں نے طبع آزمائی نہ کی ہو۔ زندگی کے چھوٹے چھوٹے اور معمولی پہلوؤں کو بھی انھوں نے اپنے شعری تجربے کی بدولت شعر کا ذوق رکھنے والے لوگوں کے لیے توجہ کا مرکز بنا دیا ہے۔

احسان دانش کے نزدیک انسان خدا کا نائب ہے، نائب اسی صورت میں جب کہ وہ وعدۂ الٰہی اور فرمودۂ الٰہی کو فراموش نہ کرے۔ انسان کو ہمہ وقت مسلسل جد و جہد، محنت، مشقت اور کاوش سے کام لینا چاہیے۔ اسی کو زندگی کا مقصد سمجھنا چاہیے، کیوں کہ نائبِ خدا

ہونے کی حیثیت سے وہ نئی نئی دنیائیں بناتا ہے۔

احسان دانش قناعت پسند شخص ہیں۔ وہ اللہ سے نہ تو مالِ غنیمت مانگتے ہیں، نہ کشور کشائی اور نہ کسی اور مادی چیز کے خواہاں ہیں، بلکہ اللہ کے حضور حاضر ہو کر وہ انسان کی تقدیر کو بیدار کرنے کی دعا کرتے ہیں۔ کیوں کہ تقدیر کے بیدار ہونے کے بعد انسانی زندگی کے ارتقا کے لیے نئے نئے راستے کھلتے ہیں؛ اور انسان کے اندر پوشیدہ صلاحیتیں ضرور موجود ہیں۔ مگر وہ غفلت، کاہلی اور سستی کا شکار ہے۔ یہ ایسے عناصر ہیں جو انسانی زندگی کی ارتقائی صلاحیتوں کو مفلوج کر دیتے اور اس کو دوسروں کا دست نگر بنا دیتے ہیں۔

احسان دانش کی شاعری میں مایوسیوں اور ناامیدیوں سے گھبرا کر بھاگنے کا درس نہیں ہے۔ بلکہ اس میں زندگی کی رمق، حرارت اور جھلک موجود ہے اور اس کے پردے میں ہوس پرستی کا دخل نہیں ہے، کیوں کہ شعر و ادب کا مقصد مغموم دلوں کو مسرور کرنا، شکستہ خاطروں کو زندگی کا پیغام دینا اور بھولے بھٹکوں اور گمراہوں کو راہِ راست اور صراطِ مستقیم پر لانا ہے اور یہی انسان کا فریضہ ہے۔

احسان دانش خالص اسلامی سلطنت کے خواہاں اور اسلامی روایات اور تہذیب پر عمل کرنے والے حاکم کو پسند کرتے ہیں جو ایسے قوانین نافذ کرے جن کی اصل قرآن و سنت ہو۔

احسان دانش انسان کی خدمت اور انسانیت کے پرچار کو فرضِ اولین سمجھتے ہیں، بلکہ اسے عبادت کا درجہ دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک اگر کوئی حقوق العباد تو ادا نہ کرے لیکن حقوق اللہ ادا کرے تو وہ انسانِ کامل نہیں بن سکتا۔ ان کا یہ نقطۂ نظر اس لیے بھی ہے کہ جب سے انھوں نے ہوش سنبھالا وہ انسانیت کی خدمت کسی نہ کسی رنگ میں کرتے رہے۔ پہلے انسان کی خدمت قوتِ دست و بازو سے کی اور بعد میں زورِ قلم سے۔

دنیا کی بے ثباتی بھی ایک ایسا موضوع ہے جس پر ابتدا سے لے کر آج تک خامہ فرسائی کی جا رہی ہے۔ احسان دانش بھی انسانوں کو اس دنیائے فانی سے دل نہ لگانے کا درس دیتے ہیں، کیوں کہ یہ دنیا تو جس میں ہزاروں لاکھوں رنگینیاں ہیں، ایک سرائے کی مانند ہے، اور انسان اس کا مسافر۔ اس دنیا میں نہ تو بہار کو قیام ہے اور نہ خزاں کو دوام، قائم رہنے والی

صرف اللہ کی ذات ہے۔ انسان کی یہ زندگی عارضی ہے، حقیقی زندگی کا آغاز تو مرنے کے بعد ہوگا۔ وہ موت کو موت نہیں سمجھتے بلکہ اسے ایک پردے سے تعبیر کرتے ہیں۔ مرنے سے زندگی اور اس کی تابندگی ختم نہیں ہوتی بلکہ اس کے پردے میں ایک نئی زندگی کا آغاز ہوتا ہے جو ہمیشہ قائم رہنے والی زندگی ہے۔

انھوں نے اپنی والدہ کی وفات پر جو مرثیہ "گورستان" کہا ہے، اس میں فلسفۂ زندگی بیان کرتے ہوئے موت وحیات کی گتھیوں کو سلجھایا ہے۔ اس لحاظ سے احسان دانش ایک الہامی شاعر بھی ہیں۔ الہامی شاعر ایسے شاعر کو کہتے ہیں، جس نے باقاعدہ فلسفہ اور حکمت کی تعلیم حاصل نہ کی ہو اور نہ اس کی کوئی کتاب پڑھی ہو، مگر وہ اس پہلو پر شعر کہے تو ایسے رموزِ حقیقت بیان کرے جو برسوں کی محنت کاوش کے بعد بھی کسی فلسفی کے ذہن و دماغ میں مشکل ہی سے آسکتے ہوں۔ ایسے شاعر پر ایک الہامی کیفیت طاری ہوتی ہے اور اسی عالمِ جذب میں وہ شعر کے ذریعے حکمت و معنی اور حقائق و معارف بیان کرنا شروع کردیتا ہے۔ ان کا مرثیہ گورستان الہامی شاعری کی ایک عمدہ مثال ہے۔

احسان دانش سادہ دل، سادہ منش، سادہ مزاج اور سادہ طبیعت ہونے کے ساتھ ساتھ کائنات کے عالم گیر جذبۂ راستی وسچائی سے مالا مال ہیں۔ راستی و سچائی ایک ایسی قوت ہے جسے کوئی باطل قوت زیر نہیں کرسکتی۔

آزاد شاعری نے بھی احسان دانش کے زمانے میں جنم لیا، جس کے علم بردار ن۔ م۔ راشد، میراجی اور تصدق حسین خالد تھے۔ انھوں نے اس میدان میں ہیئت کے نئے نئے تجربے کیے مگر احسان دانش ان نئے نئے تجربوں کو اپنانے کے قائل نہیں اور نہ آزاد شاعری کو کوئی خاص اہمیت دیتے ہیں، البتہ وقت کے ساتھ ساتھ پیدا ہونے والے ایسے خیالات اور رجحانات جو تعمیری اور اصولی ہوں، انھیں وہ ضرور جذب کرتے اور اپنے شعری ورثے کا ایک اہم جزو بناتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں ان کے یہاں نئی نئی ترکیبوں اور نادر تشبیہات نے جنم لیا ہے۔ ترنم و نغمگی بھی ان کے شعری ورثے کا ایک اہم جزو ہے۔ انھوں نے تقریباً ہر بحر کے سانچے میں اپنے اشعار کو ڈھالا ہے، مگر اکثر اشعار کو بحرِ ہزج)، بحرِ رمل اور بحرِ رجز کا شعری لہجہ عطا

کر کے ترنم و نغمگی کی فضا قائم کی ہے۔

اردو شاعری میں رومانوی تحریک کا نقطۂ آغاز اصولی طور پر محمد حسین آزاد کے یہاں شروع ہو گیا تھا، آگے چل کر حفیظ جالندھری اور خاص طور پر اختر شیرانی نے اسے معراج کو پہنچایا۔ احسان دانش بھی اپنے ہم عصروں میں اس میدان میں کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ ان کی شعری روایات میں محاکات نگاری، فطرت کے مناظر جس میں صبح و شام کی حسین کیفیات، کھیتوں، فصلوں، سبزوں اور دریاؤں کے ماحول اور شادی بیاہ یا میلوں ٹھیلوں کے ہجوم کے منظر نامے اس کا بیّن ثبوت فراہم کرتے ہیں۔

ذیل میں جناب احسان دانش کے چند شعری نمونے پیش کیے جاتے ہیں۔

ہزار دل نے فریب کھائے، ہزار جلوے نظر پہ لوٹے
مگر ابھی تک ہے ہوش اتنا، بشر بشر ہے، خدا نہیں ہے
مرے سفینے کو جوشِ طوفاں جدھر بہائے ادھر بہا دے
مجھے تلاشِ خدا ہے آخر نہ ہو اگر ناخدا نہیں ہے

الٰہی صدقۂ سالارِ کونین — مجھے بیداریٔ تقدیر دے دے
جنوں ہے خدمتِ انساں کا مجھ کو — کمالِ خامہ و شمشیر دے دے
زباں کو راستی کی بھیک دے کر — مرے ہر لفظ میں تاثیر دے دے

ہے اصل میں انساں کا مربی وہی حاکم — مذہب سے تراشے جو حکومت کے قوانین

خدمتِ خلقِ خدا ہے بندگی در بندگی
ہے یہی انسانیت خلاقِ انساں کی قسم
اس عبادت سے مجھے ملتا ہے کچھ ایسا سکوں
جیسے پیشانی میں ضم ہو جائے سیمائے حرم

نہ قیام فصلِ گل کو، نہ خزاں ہے جاودانہ
یہ عجیب زندگی ہے نہ قفس نہ آشیانہ

مجھے میکشانِ مغرب نہ بلا سکیں میکدے میں — مرے ظرفِ زندگی میں ہے ابھی مئے شبانہ

کم نہیں طاعون سے مشرق میں تقلیدِ فرنگ
گرچہ اس میں زندگی کا ظاہری سامان ہے

کاوشِ پیہم کو اپنی زیست کا حاصل بنا
تو تو عالم ساز ہے اپنی نئی محفل بنا

ہر حسین تبسم کا اختتام ہے آنسو
ہے ہر اک بلندی کے دامنوں میں گہرائی

مجھے جب غور پہ مجبور کر دیتی ہے تنہائی
کھلی آنکھوں ضمیر آب و گل میں ڈوب جاتا ہوں

نظر آتے ہیں جو انسانیت کے بام و در مجھ کو
بلندان سب میں اک مزدور کی ہمت کو پاتا ہوں

موت کے پردے سے کم ہوتی نہیں تابندگی
اس طرف بھی زندگی ہے، اس طرف بھی زندگی

میری افلاس نے کھائی نہیں دولت سے شکست — اور اس ملک کے فن کار سے کیا چاہتے ہو
جس طرح ممکن ہو تعمیرِ چمن کرتے رہو — کام اپنا ہے محبانِ وطن کرتے رہو

نثر میں بھی احسان دانش کا ایک خاص مقام ہے - وہ علمی اور ادبی دونوں حیثیتوں سے متعارف ہیں۔ مطبوعہ ادبی تصانیف میں (۱) جہانِ دانش (جو ان کی آپ بیتی ہے) -(۲) طبقات (مختصر انشائی ادب پارے) (۳) روشنیاں (ان کے اقوالِ زریں) (۴) مجموعۂ غالب (غالب کے حالاتِ زندگی، عادات و خصائل اور کلام کی نمایاں خصوصیات)

مطبوعہ علمی تصانیف زیادہ تر لسانیات کے موضوع سے متعلق ہیں جن میں انھوں نے لسانیات کے ایک ہی مسئلے کو مختلف اندازوں سے بیان کیا ہے - ان میں (۱) تذکیر و تانیث (۲) خضرِ عروض (۳) اردو مترادفات (۴) دستورِ اردو اور (۵) لغات الاصلاح شامل ہیں -

ان کی بہت سی غیر مطبوعہ تصانیف بھی ہیں جن میں (۱) اردو زبان کا لسانی سفر (۲) علم الامثال (۳) دانشِ ابلاغ (۴) قاموس المحاورات (۵) مسلمانوں کی بیداری (ایک مقالہ) اور (۶) جہانِ دانش حصہ دوم شامل ہیں -

---

مطالعۂ حدیث

(مولانا محمد حنیف ندوی)

استشراق زدہ حضرات کا کہنا ہے کہ حدیث وسنت کی تسوید و تدوین تیسری صدی ہجری میں محض تاریخی عوامل کی بنا پر معرضِ ظہور میں آئی۔ مولانا ندوی نے اس کتاب میں اس اعتراض کا محققانہ جواب دیا ہے اور بتایا ہے کہ حدیث نبوی کی اشاعت وفروغ اور حفظ و صیانت کا سلسلہ عہدِ نبوی سے لے کر صحاح ستہ کی تدوین تک ایک خاص قسم کا تسلسل لیے ہوتے ہے جس میں شک و ارتیاب کی کوئی گنجائش نہیں پائی جاتی۔ انھوں نے حدیث کے علوم و معارف پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ یہ ایک مکمل سائنس ہے جس میں رجال و رواۃ کی جانچ پرکھ کے پیمانوں کی تشریح کا اہتمام بھی کیا گیا ہے اور ان اصولوں کی نشان دہی بھی کی گئی ہے جن سے محدثین نے متنِ حدیث کی صحت و استواری کا تعین کیا ہے۔ اسلام میں حدیث وسنت کا جو درجہ ہے اس کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔

صفحات: ۱۲+۲۱۵ قیمت: =/۲۵ روپے

تاریخ دولتِ فاطمیہ

(مولانا رئیس احمد جعفری)

ہمارے مؤرخوں نے اپنی کتابوں میں مصر کے فاطمیین کو وہ مقام نہیں دیا جس کے وہ ہر لحاظ سے مستحق تھے۔ حالانکہ فتوحات کی وسعت، اسلام کی تبلیغ، علم کی ترویج اور غیر مسلموں سے رواداری سلوک کے باعث وہ تاریخ اسلام کا ناقابلِ فراموش حصہ بن چکے تھے۔ اس موضوع پر اردو زبان میں یہ پہلی کتاب ہے جس پوری غیر جانبداری کے ساتھ فاطمیوں کے عقائد و اعمال اور ان کے سیاسی کارناموں کا مرقع پیش کیا گیا ہے۔

صفحات: ۸+۴۱۰=۴۱۸ قیمت: =/۴۰ روپے

ملنے کا پتا: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور